www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری قدّس اللّٰہُ سِرّہٗ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی **عبدالخالق آزاد** رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

اپریل 2023ء / رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ • جلد نمبر 15، شمارہ نمبر 4 • قیمت: 30 روپے • سالانہ ممبرشپ: 350 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

غفلت کا علاج دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ:

’’مراقبہ اس کا علاج ہے۔ (یعنی) ہر شئے کو اس طرح دیکھئے (غور کیجیے) کہ یہ نعمتِ باری ہے (اور میرے ذمہ اس کا حق ادا کرنا ہے) تو بھی غفلت سے بچاؤ ہے۔ اس طرح (مراقبہ) کرتے رہو تو رفتہ رفتہ غفلت جاتی رہتی ہے‘‘۔

ایک نوجوان نے سوال کیا کہ: حضرت! ’’لا حَولَ (و لا قُوّةَ إلّا باللّٰه العَلِيِّ العَظِيم)‘‘ پڑھنے سے شیطان انسان سے کتنی دیر کے لیے دور ہو جاتا ہے؟ فرمایا کہ: ’’بس! ذرا سی دیر کو (دُور ہوتا ہے، یعنی) ’’لا حَولَ‘‘ دل سے پڑھنا، اس کو ذرا دُور کر دیتا ہے اور پھر (کچھ دیر بعد وہ دوبارا) آ لیتا ہے۔ باقی اس (شیطان) کا اثر ہونا نہ ہونا، یہ الگ بات ہے۔ غفلت (کی حالت) میں اکثر (اثر) ہوتا ہے اور غفلت نہ ہو تو عموماً اثر نہیں ہوتا‘‘۔

(۱۳؍ رجب ۱۳۶۸ھ/ 12؍ مئی 1949ء، بروز: جمعرات۔ مقام: رائے پور در گلزارِ رحیمی)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 389، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ترتیبِ مضامین

- دینی بے شعوری کا غلاف؛ تباہی کا راستہ
- رمضان المبارک اور مؤمن کی تمنا
- حضرت عُقبہ بن عامِر جُھَنِی رضی اللہ عنہ
- پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سبق
- صبح، شام اور سونے کے وقت کے اذکار (2)
- امام الاولیا حضرت حسن بصریؒ
- ہمیں اپنی عادتیں بدلنا ہوں گی
- قیامِ رمضان ایک عالمی تحریک ہے
- عید کے دن مقرر ہونے کا پس منظر اور صدقہ فطر کی ادائیگی
- عید کے دن خوشی و انبساط کی کیفیات اور اُن کا اظہار
- عید کے دن خوشی کے جذبات کا اظہار کیوں ضروری ہے؟
- عید الفطر آزادی و حریت کے احساس کو بیدار کرتے ہوئے منائی جائے
- حضرت مولانا محمد عمر پندرانی دین پوریؒ
- جنٹل مین بن کے دکھاؤ
- اعتکاف، صدقہ فطر اور عید الفطر کے احکام و مسائل

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جا سکتا ہے۔

www.rahimia.org

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

دینی بے شعوری کا غلاف؛ تباہی کا راستہ

سورت البقرہ کی گزشتہ آیت (87) میں یہ حقیقت واضح کی گئی تھی کہ جب بنی اسرائیل میں سوسائٹی کی جامع دینی تعلیمات کے حوالے سے تقسیم وتفریق کا رویہ پیدا ہوا اور وہ صرف رسمی عبادات میں مشغول رہے اور دینی سیاسی شعور، عملی تقاضوں سے روگردانی کرتے ہوئے وہ اپنی خواہشات اور طبقاتی مفادات کے مطابق نظامِ سیاست قائم کرتے رہے تو انھوں نے اپنے سچے رہنماؤں کو جھٹلایا، یہاں تک کہ بعض کو قتل تک کر دیا۔

ان آیاتِ مبارکہ (88-89) میں یہودیوں کی اس دینی سیاسی بے شعوری کی اصل وجہ اور نوعیت واضح کی جا رہی ہے اور آج بھی اس کے بُرے اثرات ونتائج یہ ہیں کہ وہ نبی آخرالزمان ﷺ اور کتابِ مقدس قرآن حکیم کی جامع تعلیمات کو سمجھنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہیں۔ اور سختی کے ساتھ اپنے دلوں پر تنگ نظری کا غلاف چڑھائے ہوئے ہیں۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (اور کہتے ہیں: ہمارے دلوں پر غلاف ہے): بنی اسرائیل کے یہودیوں نے مسلسل اپنے انبیا علیہم السلام کو جھٹلایا اور بعض انبیاؑ کو انھوں نے قتل کیا، اس کے اثرات اور نتائج یہ ہوئے کہ وہ آج نبی اکرم ﷺ ایسے سچے رہنما کی بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اور اس انکار کا خودساختہ سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ لکھتے ہیں: ''یہود اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ ''ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں، بجز اپنے دین کے کسی کی بات ہم کو (ہم پر) اثر نہیں کرتی۔ ہم کسی کی چاپلوسی، سحر بیانی، یا کرشمے اور دھوکے کی وجہ سے ہرگز اس کی متابعت نہیں کر سکتے''۔ ایک تو سچے رہنماؤں کی رہنمائی سے محروم ہیں اور پھر اس محرومی کو اپنی بڑی سمجھ داری کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے انبیا علیہم السلام اور سچے رہنماؤں کے ترقی یافتہ قومی سیاسی نظریات کا انکار کرتی ہے اور اپنی ذاتی خواہشات اور طبقاتی مفادات کے تحت عملی کردار ادا کرتی ہے تو اُن میں ایسے رسمی اور عملی طور پر محال رویے اور نظریات پیدا ہو جاتے ہیں، جن کا انسانی معاشرے کے جاری ماحول کے تقاضوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں وہ ایسے رومانوی اور افسانوی نظریات کی اسیر ہو جاتی ہے، جو عملی زندگی میں کسی طور پر بھی روبہ عمل نہیں آسکتے۔ گویا کہ اُن کے دلوں پر ذاتی مفادات اور لوٹ مار کے ایسے غلاف چڑھ جاتے ہیں کہ اُن کی عقلیں اپنے دور کے سیاسی حقائق کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ اور وہ تخیلاتی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں۔

بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے ان کے کفر کے سبب، سو بہت کم ایمان لاتے ہیں): حضرت شیخ الہندؒ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''حق تعالیٰ نے فرمایا: وہ بالکل جھوٹے ہیں، بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان کو ملعون اور اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لیے کسی طرح دینِ حق کو نہیں مانتے اور بہت کم دولتِ ایمان سے مشرف ہوتے ہیں''۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے انبیا علیہم السلام کی جامع تعلیمات کے اقترابی اور اجتماعی پہلوؤں میں تفریق پیدا کر کے جو کفر کیا ہے، اُس کے نتائج یہ ہیں کہ اُن کی سیاسی عقل وشعور ماؤف ہوگئی ہے۔ اور وہ انسانی معاشرے کی اجتماعی طاقت اور قوت کو درست خطوط پر قائم کرنے کی اہلیت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس کفر کی حقیقت خود اللہ پاک نے بیان فرمائی ہے: ''تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو'' (البقرہ: 85)۔ یعنی کتاب اللہ کی جامع تعلیمات کے عبادات پر مشتمل کچھ حصے پر ایمان رکھنا اور اُس کی اجتماعی اور سیاسی تعلیمات کا انکار کر دینا' یہ وہ کفر ہے، جس کے نتیجے میں اُن کے دل ودماغ اللہ کی لعنت کے زیرِ اثر ہیں۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ (اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے، جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو اُن کے پاس ہے): یہودیوں نے نہ صرف بنی اسرائیل کے تقریباً چار ہزار انبیا علیہم السلام کی تعلیمات میں تفریق پیدا کر کے کفر کا ارتکاب کیا اور ملعون بنے، بلکہ آج ایسی کتابِ مقدس قرآن حکیم نازل ہوئی ہے کہ جو اُن کے پاس موجود کتاب تورات وانجیل وغیرہ کی تصدیق کرتی ہے اور دین کی کامل، جامع اور مکمل تعلیمات کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اپنے دینی سیاسی ذوق کی خرابی کے نتیجے میں اس کتابِ مقدس کا بھی یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (اور پہلے سے فتح مانگتے تھے کافروں پر): حال آں کہ اس سے پہلے کافروں اور مشرکوں کے مقابلے میں آخری نبی ﷺ اور کتابِ مقدس کا حوالہ دے کر اپنے دور کے کافروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے فتح مانگا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''قرآن کے اُترنے سے پہلے جب یہودی' کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ''ہم کو نبی آخرالزماںؐ اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی، ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما''۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (پھر جب پہنچا ان کو، جس کو پہچان رکھا تھا، تو اس سے منکر ہو گئے): اس لیے کہ ان کے سیاسی اور مالی مفادات ان پر غالب ہیں اور غلط سیاسی نظریات اور افکار کے غلاف ان کے دل ودماغ پر چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ قرآن کے انقلابی پیغام کو پہچاننے سے انکار کرتے ہیں۔ خاص طور پر ان کی سرمایہ پرستی اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف قرآن جو تعلیمات دیتا ہے، یہ اُس کا انکار کرتے ہیں۔

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر): یہودیوں نے مسلسل انبیا علیہم السلام کی سچی تعلیمات کو جھٹلایا، یہاں تک کہ نبی آخرالزمان ﷺ کے سچے پیغام اور قرآن حکیم کی جامع تعلیمات کا انکار کیا۔ اس سبب سے وہ اللہ کی لعنت میں مبتلا ہو کر دنیا میں ذلیل اور رُسوا اور آخرت میں بڑے عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

کسی قوم میں اپنے سچے رہنماؤں کی تعلیمات کی اساس پر قومی، دینی، سیاسی تقاضوں کو پورا کرنے کا جامع فکروعمل باقی نہ رہے تو وہ دنیا میں سیاسی طور پر غلام، معاشی طور پر مفلس اور سماجی طور پر فکری انتشار کا شکار ہو کر غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کرتی ہے۔ یہی وہ لعنتِ خداوندی ہے جو دنیا اور آخرت میں اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

www.rahimia.org

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

رمضان المبارک اور مؤمن کی تمنا

عَنْ أبیْ مَسعُود الغِفَاری رَضِیَ اللّٰہ عنه، قال سمعتُ رسولَ اللّٰہ ﷺ ذاتَ یوْمٍ و أھَلَّ رَمَضان فقال: ”لَوْ یَعْلَمُ العِبادُ مَا رَمَضانُ؟ لتمنّتْ أُمّتِیْ أن تکونَ السَّنة کُلَّھا“. (الجامع شعب الایمان، حدیث: 3361)

(حضرت ابومسعود غِفاریؓ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک کے آغاز کے موقع پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”اگر لوگ رمضان کی اہمیت کو سمجھ جائیں تو وہ یہ تمنا کرنے لگیں کہ پورا سال ہی رمضان ہو“۔)

زیرِنظر حدیث رمضان المبارک کے فضائل کے حوالے سے قرآن و حدیث میں مذکور ارشادات کا نہایت جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتی ہے۔ چناں چہ قرآن نے روزوں کی فرضیت کا اہم مقصد لعلکم تتقون بیان کیا ہے کہ توقع کی جاتی ہے کہ رمضان کے روزوں کے ذریعے تم پرہیزگار بن جاؤ۔ تقویٰ کی تکمیل دو پہلوؤں سے ہے: ایک حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد کا قیام، یعنی متقی وہ ہوگا جو احکاماتِ شرعیہ کا پابند ہو، حقوق اللہ کی تمام نوعیّتوں کو اخلاص کے ساتھ اختیار کرے اور اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے یکسوئی پیدا کرے۔ یوں انسان کے لیے اللہ کی رحمتوں کا حصول ممکن اور اس کا قرب آسان ہوجاتا ہے۔ دوسرا پہلو حقوق العباد کے حوالے سے ہے کہ متقی آدمی عدل و انصاف پر کاربند اور اَخلاق و صفات میں سیرتِ طیبہ کا پیروکار ہو اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

ایک موقع پر رمضان المبارک کی آمد سے قبل نبی اکرم ﷺ نے خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں آپ ﷺ نے ایک جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ: ”یہ مہینہ صبر اور برداشت کا مہینہ ہے“۔ صبر کا اجر روزِ قیامت جنت کی صورت میں ملے گا۔ کسی بھی مؤمن کی زندگی کا اصل مقصد دُنیوی کامیابی کے ساتھ اُخروی کامیابی ہے کہ انسان کو جنت نصیب ہو اور اس کی روحانی ترقیات اور کمالات کا راستہ کھل جائے۔ اس نعمت کے حصول کے لیے روزہ مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ: ”جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے تو یہ اس کے لیے گزشتہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا“۔ ایک اَور حدیث کی رو سے: ”روزہ رکھ کر روزہ دار ایسے ہوجاتا ہے، جیسے دنیا میں آج ہی آیا ہو“۔ یعنی اسے گناہوں کی نحوستوں اور اَثراتِ بد سے نجات مل جائے گی۔ اس طرح کی متعدد آیات و احادیث ہیں جو اس حدیث مبارکہ کے مفہوم کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ ان آیات و احادیث کی روشنی میں مؤمن بجاطور پر یہ تمنا کرتا ہے کہ سارا سال ہی رمضان ہونا چاہیے، تاکہ اللہ کے قرب کا ایک یقینی راستہ اسے مل جائے، لیکن شریعت نے انسانوں کے لیے سہولت رکھی ہے اور سال میں ایک ماہ کے روزے فرض کیے ہیں۔

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عُقبہ بن عامِر جُھَنِی رضی اللہ عنہ

حضرت عُقبہ بن عامِر جُھَنِی رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ ”جُھَیْنَہ“ سے تھا۔ آپؓ مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپؓ کا شمار اسلام لانے والے اور ہجرت کرنے والے سابقینِ اوّلین میں ہوتا ہے۔ اپنے اسلام لانے سے متعلق آپؓ فرماتے ہیں: ”جس وقت رسول اللہ ﷺ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے، میں اپنی بکریاں چرا رہا تھا، آپؐ کی آمد کی خبر سنتے ہی بکریوں کو چھوڑ کر آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور بیعت کی خواہش ظاہر کی تو آپؐ نے مجھ سے ہجرت پر بیعت فرمائی“۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپؓ ماہر تیراندازوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپؓ حضورؐ کے خاص طور پر سفر کے خادم تھے اور رسول اللہؐ کی سواری (خچر) چلایا کرتے تھے۔

آپؓ اصحابِ صفہ میں سے ہیں۔ صفہ کی تعلیم و تربیت سے آپؓ باکمال عالم، فقیہ، کاتب اور مستقبل کے رہنما بن کر نکلے۔ حضرت ابوسعید یونسؒ آپؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”حضرت عقبہؓ قرآن کریم کے قاری، علمِ فرائض و فقہ کے ماہر، فصیح و بلیغ شاعر اور کاتب تھے۔ .. آپؓ قرآن کریم کے جامعین میں سے ہیں۔ آپؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا مصحف (قرآن کریم) مصر میں آج تک موجود ہے۔ اس کی ترتیب کچھ مختلف ہے۔ اس کے آخر میں ان کے ہاتھ سے تحریر ہے: ”کتبه عقبه بن عامر بیده“ (عقبہ بن عامر نے اس کو اپنے ہاتھ سے لکھا)۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں: ”حضرت عقبہؓ فقیہ، علامہ، قرآن کریم کے قاری، فرائض میں صاحبِ بصیرت، اہلِ زبان، فصیح شاعر اور جلیل القدر صحابی ہیں، آپؓ کی روایت کردہ احادیث بہت زیادہ ہیں“۔ آپؓ بہت خوش آواز و خوش الحان تھے۔ قرآن کریم نہایت خوش الحان اور دل سوز آواز میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عقبہؓ قومی و دینی اجتماعی کاموں میں ہمیشہ شریک رہے۔ خلافتِ صدیقی میں آپؓ ملک شام چلے گئے اور مصر و شام کی فتوحات میں شریک رہے۔ فتح دمشق تک آپؓ حضرت عمرؓ کے قاصد رہے۔ اس کے بعد مصر تشریف لے گئے، وہاں اپنا مکان بنوایا اور مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حضرت ابوسعید بن یونسؒ آپؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ”آپؓ نے ہی ملک ”مصر“ کی اقتصادی، تعلیمی اور پیداواری ترقی کے لیے لائحۂ عمل تیار کیا۔ آپؓ حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے مصر کے امیرِ لشکر رہے“۔ آپؓ نے اپنے مرض الموت میں اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور انھیں یہ وصیت کی: ”میرے بیٹو! میں تمھیں تین چیزوں سے منع کرتا ہوں، ان سے اجتناب کرنا: (1) غیر ثقہ راوی کی بیان کردہ حدیث قبول نہ کرنا۔ (2) پھٹے پرانے کپڑے پہن لینا، مگر کسی سے قرض نہ لینا۔ (3) شعر گوئی میں دلچسپی نہ لینا، کیوں کہ اس سے تمھارے دل قرآن کریم سے غافل ہوجائیں گے“۔ آپ کی وفات حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت ۵۸ھ/677ء میں مصر میں ہوئی اور آپؓ قاہرہ کے قریب ”جبلِ مقطم“ میں مدفون ہیں۔

www.rahimia.org

شذرات

پاکستان کی سیاسی تاریخ کا سبق

پاکستان کی ٔسرمایہ داری نظام کی وجہ سے معاشی بدحالی روزافزوں ہے، جہاں عوام جان کی قیمت پر آٹے کے ایک تھیلے کے لیے میلوں لمبی قطاروں میں کھڑے آٹے یا موت کا انتظار کررہے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف سیاسی پولرائیزیشن ایک خاص حد کو عبور کرتی نظر آرہی ہے۔ گیارہ سیاسی جماعتوں کا حکمران اتحاد ایک طرف، جب کہ سابقہ وزیراعظم کی جماعت دوسری طرف کھڑے اس نظام سے تنگ آئے عوام کا لہو گرم رکھنے میں مصروفِ عمل ہے۔

اس وقت پاکستان کی تاریخ اپنے آپ کو ساٹھ کی دہائی میں ''پی ڈی ایم'' کی صورت میں بننے والے اتحاد اور حکمران قوتوں کے باہمی رابطوں کو دُہرا رہی ہے، بلکہ تقریباً ستر کی دہائی کی سیاسی صورت گری سے بھی خاصی مماثلت رکھتی ہے، جب ملک کی قابلِ ذکر تمام سیاسی جماعتیں ''قومی اتحاد'' (پی این اے) کے نام سے اس وقت کی واحد حکمران پارٹی کے خلاف قوم کو آمادۂ پیکار کررہی تھیں۔ اس وقت کے قومی اتحاد کو سرمایہ دارانہ نظام کے بین الاقوامی محافظ ملک کی درپردہ حمایت حاصل تھی، جس کے ایما پر بعد ازاں پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے حکمران پارٹی کو نہ صرف اقتدار سے بے دخل کیا، بلکہ منتخب وزیراعظم کو ایک عدالتی فیصلے کے ذریعے تختۂ دار پر بھی کھینچ دیا گیا اور ملک پر ایک بدترین مارشل لاء مسلط کردیا گیا۔ گویا قومی اتحاد کی ''نظامِ مصطفیٰ'' کے نام پر چلائی گئی تحریک کا اختتام مارشل لاء کی تاریک ترین صورت میں قوم کو ملا۔ اس وقت کے قومی اتحاد کی سربراہی ایک مذہبی شخصیت کو بخشی گئی تھی، تاکہ حکمران مخالف تحریک کو مذہب کے سہارے عوامی جذبات کا ایندھن فراہم کیا جاسکے۔ آج بھی گیارہ جماعتی حکمران اتحاد کی سربراہی کا تاج ایک مذہبی شخصیت کے سر پر سجایا گیا ہے اور وہ سیاست میں مذہب کے استعمال کی روایت کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

ستر کی دہائی میں سارے ریاستی ادارے اسٹیبلشمنٹ کے حسبِ خواہش منتخب حکومت کے خلاف اکٹھے ہوگئے تھے۔ اسی طرح ستر کی دہائی کے ''پی این اے'' اور آج کے اتحاد ''پی ڈی ایم'' کے سربراہوں میں باپ بیٹا ہونے کے علاوہ اَور بھی بہت سارے پہلو مماثلت لیے ہوئے ہیں، مثلاً بھٹو حکومت کی طرح عمران حکومت کو بھی امریکا کے حسبِ خواہش ''رجیم چینج آپریشن'' کے ذریعے ختم کیا گیا۔ اسٹیبلشمنٹ سمیت ساری قوتیں بھی حسبِ سابق ایک پیج پر جمع ہیں۔ اور اگر کسی ادارے سے حکومت مخالف کسی فیصلے کی کمک ٔمزاحمت کاروں کو میسر آسکتی ہے تو جیسے ماضی میں پی سی او کے ذریعے اعلیٰ عدالتوں کی نئے سرے سے تشکیل ہوتی تھی تو اب اسے قابو کرنے کے لیے راتوں رات لنگڑی لولی پارلیمنٹ میں قانون سازی کا ڈول ڈالا گیا، تاکہ چیف جسٹس کو اپنے کولیگز کے ذریعے قابو میں رکھا جاسکے۔ جیسا کہ اس جتھے نے اپنے دورِ اقتدار میں عدالتِ عظمیٰ کے چیف جسٹس پر چڑھ دوڑنے اور اُن کو اُن کے اپنے ساتھیوں کے ذریعے برطرف کرنے کا شرم ناک کردار ادا کیا تھا۔

معزول حکومتی جماعت کے ارکان اور ورکرز کو کل کی طرح اسٹیبلشمنٹ سمیت ریاست کی دیگر فورسز کے بدترین تشدد سہنے کے ساتھ ساتھ جھوٹے مقدمات کا بھی سامنا ہے۔ جیسے ستر کی دہائی میں متحدہ قوتوں نے اپنے مخالف سیاسی لیڈر کی جان لے کر اس تحریک کا ڈراپ سین کیا تھا، ماضی کی طرح آج کی بھی وہ قوتیں خود ساختہ تحریکِ عدمِ اعتماد کے ذریعے اقتدار سے الگ کی گئی اپنی سیاسی مخالف جماعت کو راستے سے ہٹانے کے لیے اُس کی جان کے درپے ہیں، جیسا کہ وہ ایک قاتلانہ حملے میں بال بال بچ چکے ہیں۔ حتیٰ کہ ملک میں امن وامان اور شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کے ذمہ دار وزیرداخلہ انھیں غیرجمہوری اور غیراصولی طریقوں سے سیاسی منظرنامے سے منفی کرنے کے عزائم کا برملا اظہار کرچکے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''ہم میں سے کوئی ایک ہی رہے گا''۔

اسی طرح اگر شکار (victim) فریق کے درمیان مماثلتیں تلاش کی جائیں تو وہ بھی سبق آموز ہیں، مثلاً ستر کی دہائی میں عوامی مقبولیت حاصل کرنے والے ذوالفقار علی بھٹو کی پروجیکشن ایک فوجی سربراہ کے زیرِ سایہ ہوئی اور بہ قول جے اے رحیم: پاکستان میں کسی بھی متوقع انقلاب کا راستہ روکنے کے لیے انقلاب کی وجہ بننے والے عوامی مطالبات کو کچھ درپردہ قوتوں کی طرف سے نعروں میں ڈھال کر ایک پارٹی بنوائی گئی، جس کا عوامی مقبولیت کا سفر حیران کن تھا۔ جس کے بعد وہ عوامی لیڈر کہلائے۔ اور بعد ازاں انھوں نے عوامی جلسوں میں فوج کو ہدفِ تنقید بنا کر اپنا ایک بیانیہ تخلیق کرلیا اور انھوں نے ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' نامی کتاب لکھ کر اس پر مہرِ تصدیق ثبت کردی۔ ایسے ہی موجودہ اقتدار سے بے دخل کی جانے والی پارٹی کے لیڈر ایک سابق آرمی چیف کی نظرِ کرم کے مرہونِ منت رہے اور اپنے پسندیدہ آرمی چیف کی مدتِ ملازمت میں توسیع کے ساتھ ساتھ سینہ تان کر انھیں ''ڈیموکریٹ جنرل'' کہتے نہ تھکتے تھے۔ اور ایسے ہی ان کے فالوورز نے سوشل میڈیا پر فوج کی جمہوریت نوازی کے جھنڈے گاڑ رکھے تھے۔ اب یہ جماعت اس دور کو اپنا ''زمانۂ جاہلیت'' کہتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اب ہمیں سمجھ آئی ہے کہ سسٹم کیا ہوتا ہے؟ خدا کرے سیاست میں سرگرم عناصر کو سیاسی سوجھ بوجھ آجائے، ورنہ تو کل تک اسٹیبلشمنٹ کو للکارنے والے تو آج انھیں کے کندھوں پر بیٹھ کر اپنا قد اونچا کیے کھڑے ہیں۔

ہمارے باشعور نوجوانوں کے لیے پاکستانی سیاسی تاریخ کا سبق یہ ہے کہ اس ملک میں جاری سیاسی عمل موقع پرستی کے گرد گھومتا ہے۔ یہاں کچھ طبقے ہیں' جو حسبِ موقع ساری صورتِ حال کو اپنی گرفت میں رکھتے ہیں۔ اس کے لیے سیاست دانوں، مذہبی رہنماؤں اور حکمرانوں کا گٹھ جوڑ بھی کروادیا جاتا ہے۔ جمہوریت کا ڈھونگ رچانے کے لیے الیکشن بھی کروا دیے جاتے ہیں۔ غریب عوام کے بجائے یہ طبقے اپنے مفادات کے لیے قانون سازی اور آئینی ترامیم بھی کرواتے رہتے ہیں۔ نظام کی تبدیلی کے بجائے عوام کو لنگر خانوں اور جان کی قیمت پر آٹے کے تھیلوں پر ٹرخایا جاتا ہے۔ ان سیاست دانوں کی اولادیں اربوں پتی، جب کہ ایک عام آدمی کے بچے پیدائشی آئی ایم ایف کے مقروض پیدا ہوتے ہیں۔

الغرض! ہمارا ملکی نظام آج تک کسی مثبت اُصول کا پابند نہیں، بلکہ یہ کچھ مخصوص طبقوں کے مفادات، عوام دشمنی، مفاد پرستی اور موقع پرستی کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔ آج کے باشعور نوجوانوں کو اس نظام کی چھتری تلے قائم سیاسی نظام کے گھن چکر کا حصہ بننے کے بجائے مستقل بنیادوں پر تبدیلیٔ نظام کی شعوری جدوجہد کے طریقوں کو اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے ساتھ اپنانا ہوگا۔ ورنہ یہ کھیل تو قیامِ ملک سے لے کر تقسیم ملک سے ہوتا ہوا زوال کی طرف تیزی سے جاری ہے۔ اور اندیشہ ہے کہ موجودہ سیاسی بحران کا ڈراپ سین ملک کی رہی سہی توانائی کو بھی نچوڑ کے نہ رکھ دے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

صبح، شام اور سونے کے وقت کے اذکار 2

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

(7) ''اللّٰهُمّ ! إِنّی أَسأَلُکَ العَافِيَةَ فِی الدُّنيا وَ الْآخِرَةِ، اللّٰهُمّ ! إِنّی أَسأَلُکَ العفوَ وَ العَافِيَةَ فِیْ دِيْنِیْ و دُنْيَایَ و أَهلِیْ وَ مَالِیْ، اللّٰهُمّ ! اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ و آمِنْ رَوْعَاتِیْ، اللّٰهُمّ ! احْفِظْنِیْ مِنْ بَيْنِ يَدَیَّ، وَ مِنْ خَلْفِیْ، وَ عَن يَمِيْنِیْ وَ عَن شِمَالِیْ، وَ مِنْ فَوْقِیْ، وَ أَعُوْذُ بِعَظْمَتِکَ أَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ''. (رواه أبو داؤد، مشكوٰة، حديث: 2397)

(اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے معافی کا سوال کرتا ہوں اور اپنے دین، اپنی دنیا، اپنے بیوی بچوں اور اپنے مال میں عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میری پردہ پوشی کر اور میری گھبراہٹ کو دور فرما۔ اے اللہ! میری ہر طرح حفاظت کر! میرے سامنے سے، میرے پیچھے سے، میرے دائیں سے، میرے بائیں سے، میرے اوپر سے۔ اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری عظمت کی کہ میں نیچے سے اُٹھالیا جاؤں۔)

(8) تین دفعہ یہ دعا پڑھے: ''رَضِيتُ بِاللّٰه رَبًّا، وَ بِالإِسْلَامِ دِيْنًا، وَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا. (رواه أحمد و التّرمذی، مشكوٰة، حديث: 2399)

(اللہ کو ربّ ماننے، اسلام کو دین تسلیم کرنے اور محمد ﷺ کو نبی ماننے پر میں بہت خوش اور راضی ہوں۔)

(9) ''أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التّامّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ''. (مشكوٰة: 2423)

(میں ہر مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کامل اور مکمل کلمات کی۔)

(10) ''اَللّٰهُمَّ ! مَا أَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ، فَمِنْکَ وَحْدَکَ، لَا شَرِيْکَ لَکَ، فَلَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ''. (رواه أبو داؤد، مشكوٰة: 2407)

(اے اللہ! صبح کے وقت جو بھی مجھے نعمت ملی، یا تیری مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی ملی، پس وہ تیری واحد ذات کی طرف سے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ پس تیرے لیے حمد اور تعریف ہے اور تیرا ہی شکر ادا کرتا ہوں۔)

(1) سيّدُ الاسْتِغْفَار پڑھنا (یہ استغفار پیچھے آٹھویں ذکر میں گزر چکا ہے):

''اللّٰهُمّ ! أنتَ رَبّی، لا إلٰه إلّا أنتَ، خَلَقْتَنِیْ و أنا عَبْدُکَ، و أنا عَلٰى عَهْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ، و أَبُوْءُ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْ لِیْ، فَإِنّه‘ لا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ''. (اے اللہ! تُو میرا ربّ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔ تُو نے مجھے پیدا فرمایا۔ میں تیرا بندہ ہوں۔ میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا، اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ آپ کے جو انعامات مجھ پر ہیں، میں ان کا اقرار کرتا ہوں، اور اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ مجھے بخش دے، کیوں کہ صرف تُو ہی گناہ معاف کرسکتا ہے۔) (رواہ البخاری: 2306، مشکوٰۃ: 2335)

(سونے کے وقت کے ذکر اذکار)

جب آدمی سونے کے وقت اپنے بستر پر آئے تو یہ اذکار پڑھے:

(1) ''بِاسْمِکَ رَبّی وَضَعْتُ جَنْبِی، وَ بِکَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَکْتَ نَفْسِی فَارْحَمْهَا، وَ إِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفِظْهَا، بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَکَ الصَّالِحِينَ''. (متّفق عليه، مشكوٰة: 2384)

(اے میرے پروردگار! تیرے نام کے ساتھ ہی میں اپنے پہلو کو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ ہی اسے اُٹھاؤں گا۔ اگر تُو میری روح اپنے پاس روک لے تو اُس پر رحم کرنا اور اگر تُو اُسے واپس لوٹا دے تو اس کی اُن تمام چیزوں سے حفاظت کرنا کہ جن سے تُو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔)

(2) ''اللّٰهُمَّ ! أَسْلَمْتُ نَفْسِی إِلَيْکَ، وَ وَجَّهْتُ وَجْهِی إِلَيْکَ، وَ فَوَّضْتُ أَمْرِی إِلَيْکَ، وَ أَلْجَأْتُ ظَهْرِی إِلَيْکَ، رَغْبَةً وَ رَهْبَةً إِلَيْکَ، لَا مَلْجَأً وَ لَا مَنْجَا مِنْکَ إِلَّا إِلَيْکَ، آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِی أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيّکَ الَّذِی أَرْسَلْتَ''. (متّفق عليه، مشكوٰة: 2385)

(اے اللہ! میں اپنی روح کو تیرے سپرد کرتا ہوں اور اپنے چہرے کو تیری طرف متوجہ کرتا ہوں۔ میں اپنے معاملات تیرے سپرد کرتا ہوں۔ میں اپنی پُشت کو تیری پناہ میں دیتا ہوں‘ تیری طرف رغبت رکھتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے۔ تیرے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں ہے اور نہ کوئی نجات کی جگہ ہے۔ میں ایمان لایا تیری اُس کتاب پر جو تُو نے نازل کی ہے اور تیرے اُس نبی پر جنھیں تُو نے بھیجا ہے۔)

(3) ''الحَمْدُ لِلّٰهِ الّذی أَطْعَمَنَا، وَ سَقَانَا، وَ کَفَانَا، وَ آوَانَا، فَکَمْ مِمَّنْ لا کَافِیَ له، وَلَا مُؤْوِیَ''. (رواه مسلم، مشكوٰة: 2386)

(سب تعریفیں اُسی اللہ تعالیٰ کی ہیں، جس نے ہمیں کھانا کھلایا، اور پانی پلایا، اور ہمارے لیے کفایت کی، اور ہمیں ٹھکانہ دیا۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کے لیے کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور کوئی ٹھکانہ دینے والا نہیں ہے۔)

(4) سونے سے پہلے ''سُبْحَانَ اللّٰه'' تینتیس (33) مرتبہ، ''الْحمدُ اللّٰه'' تینتیس (33) مرتبہ اور ''اللّٰهُ أکْبَر'' چونتیس (34) مرتبہ پڑھے۔ (مشکوٰۃ: 2387)

(5) سونے سے پہلے تین دفعہ یہ دعا پڑھے: ''اللّٰهُمّ ! قِنِی عَذَابَکَ يَوْمَ تَبْعَثُ عبادَکَ''. (مشکوٰۃ: 2400) (اے اللہ! مجھے اپنے اُس دن کے عذاب سے بچا، جس دن تُو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا۔) (باب الأذكار و ما يتعلّقُ بها)

www.rahimia.org

امام الاولیا حضرت حسن بصریؒ

حضرت حسن بصریؒ کا اصل نام حسن بن یسار ہے۔ آپؒ نے رسول اکرم ﷺ کے گھر میں آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت اُم سلمہؓ کی گود میں پرورش پائی۔ حضرت اُم سلمہؓ نہایت عقل مند، سلیقہ شعار، پیکرِ حسن و جمال اور تقویٰ میں ممتاز تھیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی والدۂ محترمہ حضرت اُم سلمہؓ کی کنیز تھیں۔ حضرت اُم سلمہؓ کو کسی نے خوش خبری دی کہ ان کی کنیز نے ایک لڑکے کو جنم دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت اُم سلمہؓ کا دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ پہلی فرصت میں بچے کو دیکھنے کے لیے پیغام بھیجا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ آپؓ کی کنیز اپنے نومولود کو اُٹھائے آپؓ کے گھر پہنچ گئی۔ حضرت اُم سلمہؓ نے بچے کو گود میں لے کر پیار کیا۔ نومولود کا نام ''حسن'' بھی حضرت اُم سلمہؓ نے رکھا۔ ان کی والدہ گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتیں تو حضرت اُم سلمہؓ حضرت حسنؒ کو کھلاتی تھیں۔ اس طرح حضرت حسنؒ کی پیدائش سے صرف ام المؤمنینؓ کا گھر ہی خوشیوں کا گہوارہ نہ بنا، بلکہ مدینہ کا ایک اَور گھرانہ بھی اس خوشی میں برابر کا شریک ہوا اور وہ تھا کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ کا گھرانہ۔ وہ خوشی میں اس لیے شریک تھے کہ نومولود حسنؒ کے والد یسار حضرت زیدؓ کے غلام تھے۔ ان کے دل میں اپنے غلام کی بڑی قدر تھی۔

حضرت حسن بصریؒ نے گویا حضور ﷺ کے گھر میں اور صحابہؓ کے زیرسایہ پرورش پائی۔ بڑے ہوئے تو مسجدِ نبویؐ میں بڑے بڑے صحابہؓ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے اور ان سے نہایت لگن اور شوق سے علم حاصل کیا۔ آپؒ کو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر کئی صحابہ کرامؓ سے روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت حسن بصریؒ چودہ سال کی عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ بصرہ منتقل ہوگئے اور وہیں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ اس طرح آپؒ بصرہ کی طرف منسوب ہوگئے اور حسن سے ''حسن بصریؒ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس وقت بصرہ علوم وفنون کا مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ مرکزی مسجد صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ سے بھری رہتی تھی۔ وہیں حضرت حسن بصریؒ مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور ان سے حدیث، تفسیر اور تجوید کا علم حاصل کیا۔ فقہ، لغت اور ادب جیسے علوم دیگر صحابہؓ سے حاصل کیے اور اس طرح آپؒ ایک راسخ اور پختہ عالم اور فقیہ کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ رفتہ رفتہ آپؒ کے علم و فقاہت کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ خالد بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ میں عراق کے ایک قدیم شہر حیرہ میں بنواُمیہ کے جرنیل و فاتح مسلمہ بن عبدالملک بن مروان سے ملا تو انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ خالد! مجھے حسن بصری کے متعلق کچھ بتاؤ! تو میں نے کہا کہ: ''میں ان کا پڑوسی بھی ہوں اور ہم نشین بھی، بلکہ اہلِ بصرہ میں انھیں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ حضرت حسن بصری علم وتقویٰ کا خزانہ ہیں۔ لوگ اسے حاصل کرنے کے لیے دیوانہ وار اُن کی طرف لپکتے ہیں۔ ان کا باطن ظاہر جیسا ہے''۔ میں نے اَور بہت سی خوبیاں بیان کیں تو مسلمہ نے کہا: ''بھلا وہ قوم کیسے گمراہ ہوسکتی ہے، جس میں حسن بصریؒ ایسی عظیم المرتبت ہستی موجود ہو''۔

ہمیں اپنی عادتیں بدلنا ہوں گی

سری لنکا دیوالیہ قرار پانے کے بعد استحکام کی جانب گامزن ہے، لیکن گزشتہ سال سری لنکا کے لوگوں پر بہت بھاری گزرا۔ وہاں خوراک کی کمی ایک مستقل مسئلہ بن چکا ہے، روزمرہ استعمال کا ایندھن آسانی سے نہیں ملتا، ادویات کی فراہمی میں تعطل عام سی بات ہے، لیکن لوگوں کو اس سب کی عادت سی ہوگئی ہے۔ اس لیے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حالات معمول پر آتے جا رہے ہیں۔ دراصل وہاں لوگوں نے تبدیل شدہ صورتِ حال کے مطابق رہنا سیکھ لیا ہے۔ دیوالیہ قرار پانے کے بعد ایسا نہیں ہوا کہ سری لنکا کی اپنے اُوپر قرض کی ادائیگی سے جان چھوٹ گئی تھی، بلکہ تمام قرض دہندگان نے گزشتہ ایک سال میں پہلے سے موجود معاہدات کو تبدیل کیا ہے اور نئی شرائط اور ادائیگی کے شیڈول کے ساتھ قرض کی واپسی کے معاہدات کرلیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سری لنکا نے ان قرض دہندگان کی ایما پر آئی ایم ایف سے 2.9 ارب ڈالر کے قرض کا معاہدہ کرلیا ہے۔

اب انھیں اپنی ملکی ضروریات جیسے خوراک، ایندھن اور ادویات کو درآمد کرنے کے لیے پہلے ڈالروں کا بندوبست کرنا ہوتا ہے، جو یقیناً اب کہیں سے قرض کی صورت میں نہیں آتے، بلکہ ملکی برآمدات، بیرونِ ملک مقیم سری لنکن شہریوں کی ترسیلاتِ زر اور سیاحت سے آتے ہیں۔ اس رقم کو وہ ضروریات پورا کرنے کے لیے بالترتیب پہلے سے لیے گئے قرض کی واپسی، پھر ایندھن، خوراک اور ادویات کی درآمد پر استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر قرض دہندگان سے کیے گئے معاہدے میں گنجائش نکلے تو دیگر کاروباری سرگرمیوں کے لیے ضروری خام مال درآمد کرلیا جاتا ہے۔ آئی ایم ایف سے قرض کا فائدہ یہ ضرور ہوا ہے کہ عالمی سطح پر سری لنکا کی قرض اُتارنے کی صلاحیت کے درجے میں بہتری آئی ہے، لیکن حالات پہلی ڈگر پر واپس آنے میں کافی وقت لگے گا۔

پاکستان کی مقتدرہ کے سامنے یہ سب ہو رہا ہے اور دہائیوں سے ہماری مدد کرنے والے سعودی عرب، چین، عرب امارات اور امریکا اب پہلے کی طرح امداد نہیں کرنا چاہتے۔ ان کی جانب سے بہانے بہانے سے انکار سامنے آرہا ہے۔ سری لنکا کو بھوک اور بیماری سے بچانے کے لیے بھارت نے اس مدت کے دوران اشیا کی صورت میں 4 ارب ڈالر سے زائد امداد دی، لیکن ہماری خودداری کو کہاں گوارا ہے کہ ہم بھارت سے یوں تعلقات قائم کریں، جو کم از کم خوراک اور ادویات کی بلاتعطل ترسیل ممکن بنا سکیں۔ دوسری جانب ہماری مقتدرہ کمال خودداری سے اپنے کام پر لگی ہوئی ہے، یعنی بیرون ملک مانگنے پر اور اندرون ملک مقامی بینکوں سے لے کر خرچ کرنے پر۔ ایک طرف آئی ایم ایف کے حکم پر شرح سود 20 فی صد کردی گئی ہے، تاکہ مہنگائی کنٹرول ہو تو دوسری طرف کرنسی کی چھپائی پر زور رکھا ہوا ہے، جو مہنگائی کی ایک وجہ بھی بنتی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ بینکوں سے مزید قرض بٹورا جاسکے۔ آئی ایم ایف نے بڑے جتن کر کے سٹیٹ بینک کو آزاد کرایا تھا، لیکن انھیں کیا معلوم کہ پاکستانی مقتدرہ کے لیے ایک گورنر کو شکنجے میں لانا کتنا آسان ہے! گویا ہماری مقتدرہ کی عادتیں ان حالات کے باوجود بھی نہیں بدلیں۔ فکر نہ کریں ہم عوام ہیں نا، عادتیں ہم بدل رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے۔ کیوں کہ اس نظام کو بدلنے کے لیے ابھی ہم تیار نہیں۔

www.rahimia.org

قیامِ رمضان ایک عالمی تحریک ہے

محققین، مفسرین اور مؤرخین کا کہنا ہے کہ انسانیت کو کرۂ ارض پر بسیرا کیے ہوئے کم و بیش 8 ہزار سال گزر چکے ہیں۔ اس عرصے میں اس کی غور و فکر اور سوچ و بچار کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے، جس میں جغرافیائی محل وقوع کا کردار بھی بڑا اہم ہے۔ انسان کے رویے تبدیل ہوئے ہیں۔ جسمانی تقاضوں کی تکمیل ارتقائی مدارج کے تحت فروغ پائی ہے، لیکن انسانی جبلت یعنی کھانے پینے، رہنے سہنے، اوڑھنے بچھونے اور چلنے پھرنے کے تقاضے کبھی نہیں بدلے، البتہ ان کی تکمیل اور تشفی کے طور طریقے ضرور تبدیل ہوئے ہیں۔ طور طریقوں کی یہی تبدیلی سماجی سائنس کہلاتی ہے۔

انسان کا تعلق کسی بھی علاقے سے ہو، اس کے بدنی تقاضے ایک جیسے ہی ہیں۔ اسے بھوک لگتی ہے، اسے پیاس ستاتی ہے، اسے دھوپ اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے، گرمی اور سردی اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تعلیم و تربیت کے انداز تبدیل ہوئے ہیں۔ بیماری میں علاج معالجے کی ضرورت پڑتی ہے۔ شعبۂ صحت کے ماہرین کا کہنا ہے کہ انسانی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مستقل بنیادوں پر طبی معائنہ کیا جائے۔ بعض پہلوؤں سے چھ ماہ اور بعض کے اعتبار سے تین ماہ، تا کہ انسانی جسم میں ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہی حاصل ہو سکے۔ سورت بقرہ کی آیت 183 کہتی ہے کہ انسانوں کا وہ حلقہ جو کائنات کو خالق کی تخلیق مانتا ہے، نہ کہ وہ لوگ جو اس کے وجود کو خود بہ خود قائم ہونے کا نظریہ رکھتے ہیں، کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ یہاں لوگوں سے مراد کوئی خاص گروہ، یا طبقہ، یا کسی خطے میں رہنے والے افراد مراد نہیں ہیں، بلکہ وہ تمام انسان مراد ہیں جو کرۂ ارض پر زیست کے مزے لے رہیں۔ خواہ ان کا تعلق ایشیا سے ہو، یا یورپ سے، افریقہ کا رہنے والا ہو، امریکا کا باسی ہو، یا پھر آسٹریلیا میں زندگی گزار رہا ہو۔ قرآن حکیم ایک بین الاقوامی دستور ہے۔ اسے تخلیق کرنے والا ہی انسان کا خالق ہے۔ اس نے انسان کے اجتماعی تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قوانین عطا کیے ہیں۔ تا کہ انسانی جسم کی دونوں پہلوؤں سے تکمیل ہو سکے۔ بدنی تقاضے بھی ترقی کریں اور جسم کو قائم رکھنے والی روح کی تشفی کا بھی اہتمام ہو سکے۔

روزے کا نظام انسانی سماج کو ترقیات سے ہم کنار کرنے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا۔ اسی کی مشابہت سے ملتا جلتا نظام گزشتہ اقوام کے لیے بھی تھا، جس کی مکمل اتباع سے معاشرے میں امن، خوش حالی اور مساوات قائم ہوتی ہے۔ ماضی کے کئی تمدنوں کے اثرات آج بھی مختلف خطوں میں موجود ہیں، جن کے ہاں روزہ رکھنے کے رسم و رواج کسی نہ کسی شکل میں قائم ہیں۔ جن کا تعلق ایشیا، افریقا، یورپ، امریکا اور آسٹریلیا وغیرہ سے ہے۔ ہندومت: ہند کے سماج میں رہنمائی کے لیے وید اور گیتا کے علاوہ ''دھرم سندھو'' جیسی کتب میں ملتی ہیں، جو انھیں زندگی گزارنے کے گُر سکھایا کرتی تھیں۔ ان میں روزے کے لیے ''وَرَت'' یا ''بَرَت'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ یہ فاقہ کشی کا عمل قدیم زمانے سے جاری ہے۔ ہر ہندی مہینے کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو ہندومت میں روزہ رکھا جاتا ہے۔ اس طرح سال میں چوبیس روزے رکھنے کی تاریخ ملتی ہے۔ بدھ مت، جس کا پھیلاؤ ایشیا اور مشرقِ بعید کے ملکوں میں پانچویں صدی قبل مسیح سے چلا آ رہا ہے، ان کے ہاں بھی تمام فرقے سال میں کچھ دنوں کے روزے رکھتے ہیں۔ جن میں پورے چاند کے دن کے علاوہ دیگر دوسرے ایام بھی شامل ہیں۔

زرتشت: فارسی میں زرتشت اور اطالوی میں ''زوراسٹر'' کہتے ہیں۔ یہ مذہب عیسائیوں سے ہزار پندرہ سو سال قبل ایران میں عروج پر تھا۔ اس مذہب میں بھی روزہ رکھنے کی تعلیمات موجود تھیں، مثلاً مہینے کے پورے دنوں میں پورے چاند یعنی بدر کے دن روزہ رکھا جاتا تھا۔ اسی کی گیارہویں کو بھی روزہ رکھتے تھے۔ مہینے کے علاوہ ہفتے کے بھی چند دن مقرر تھے۔ مورمونز سے تعلق رکھنے والے افراد ہر مہینے کے پہلے اتوار کو روزہ رکھتے ہیں۔ یہودی مذہب کا غلبہ شام اور مشرقِ وسطیٰ کے شمالی خطوں میں رہا ہے، جس کا مرکز بیت المقدس تھا۔ اس مذہب میں ''یوم کپر'' یا ''یوم کفارہ'' کو روزے کے دن کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ یہودی کیلنڈر میں چھ مزید روزے بھی شامل ہیں، جن میں ''تشاباؤ'' کے دن کا روزہ بھی ہے۔ اس روز یروشلم میں یہودی معبدوں کو تباہ و برباد کیا گیا تھا۔ عیسائی مذہب کا غلبہ زیادہ تر یورپ اور امریکا میں رہا ہے، جہاں اس کی مذہبی رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ عیسائی مذہب کے اہم فرقے کیتھولک سے تعلق رکھنے والے افراد ''ایش وینس ڈے'' اور ''گڈ فرائیڈے'' کو روزہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کیتھولک عیسائی ''نفس کشی'' کی مدت میں جمعہ کے روز گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں، جو اُن کے ہاں روزے کی ہی ایک شکل ہے۔ غرض کہ ہر ایک مذہب میں نفس کشی کے لیے روزہ یا فاقہ کشی کا تصور رہا ہے۔ اس طرح روزہ ایک عالمی انسانی تصور اور عمل ہے۔

روزہ رکھنے سے روحانی ترقیات حاصل ہوتی ہیں۔ ایمان کے تقاضے سے خود کو منظّم رکھنے کا روزہ بہترین آلہ ہے۔ خوراک بندے کی محسوسات کو تشکر کا احساس بخشتی ہے۔ جب کہ اختیاری فاقہ کشی سوچ بچار اور استغراق کی اہلیتوں میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ جب معدہ بھرا ہوا ہوتا ہے تو ذہانت حالتِ نیند میں چلی جاتی ہے، حکمت گونگی ہو جاتی ہے اور جسمانی اعضا تقویٰ کے کاموں کے قابل نہیں رہتے۔ روزہ انسان میں ذاتی محاسبے اور تجزیے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ وہ ذہن سے ایسے بوجھ اُتار دیتا ہے، جن سے ذہنی آلودگی جنم لیتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کھانے سے کاہلی پیدا ہوتی ہے، جب کہ مناسب بھوک رکھ کر کھانا' اہلیت اور عملی قوتوں کو مہمیز دیتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: ''روزہ قوتِ بہیمیت کو کمزور اور ملکیت کو طاقت ور بناتا ہے۔ روزہ انسانی اعضا کو اپنی اصلی حالت میں لانے کا باعث بنتا ہے''۔ روزہ انسان کا عالمی فطرتی تقاضا ہے، جو انسان کی کامل صحت کا اہتمام کر کے اسے بین الاقوامی کردار کے قابل بناتا ہے۔ جس سے قربِ الٰہی تک رسائی آسان ہو جاتی ہے اور عملی جدوجہد کو بھی تحریک ملتی ہے۔ سماجی تبدیلی کی جدوجہد نبویؐ نظریے کے مطابق کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

www.rahimia.org

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

عید کے دن مقرر ہونے کا پس منظر اور صدقہ فطر کی ادائیگی

یکم رشوال المکرّم ۱۴۴۳ھ / 3رمئی 2022ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ عید الفطر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ رمضان المبارک کے بابرکت ماہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد فریضے کو ادا کرنے کی اللہ نے ہمیں توفیق عطا فرمائی اور ہم نے تمام روزے مکمل کیے۔ اس بات کی بھی اللہ نے توفیق بخشی کہ ادارہ رحیمیہ لاہور میں مشائخ رائے پور کے طریقۂ کار کے مطابق ہمیں رمضان المبارک میں ایک جگہ پر جمع ہونے کا موقع ملا۔ وہ تمام علوم و معارف جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتاب مقدس قرآن حکیم کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے انسانیت کے لیے منتقل کیے ہیں، ان تمام علوم و معارف کے پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے میں ہم نے یہ پورا ماہ مبارک صَرف کیا۔ اب اللہ پاک نے یہ توفیق دی کہ ہم عید الفطر کے اس مبارک موقع پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔

عید الفطر کا وہ اہم ترین موقع ہے کہ جب ہم اللہ کے حضور سر بہ سجود ہوتے ہیں۔ نماز ادا کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور انسانیت کی ترقی اور کامیابی کے لیے ہم دعا گو رہتے ہیں۔ اسی لیے اس دن میں جو اعمال ہمارے لیے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے صدقہ فطر کی ادائیگی اور اللہ کے سامنے سجدۂ شکر ادا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے سب سے پہلی عید الفطر ۱۷ رمضان المبارک کو غزوۂ بدر میں فتح کے بعد سن ۲ ہجری میں منائی تھی۔ نبی اکرمؐ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے مدینہ والوں کو دیکھا کہ وہ سال میں دو مرتبہ عید مناتے ہیں: (1) نوروز کی عید: جو 21ر مارچ کو کسریٰ ایران کی طرف سے منائی جاتی تھی اور اسی کی اساس پر مدینہ والے بھی کسریٰ ایران کے زیرِ اثر یہ نوروز کی عید مناتے تھے۔ (2) اسی طرح دوسری عید مہرجان کی تھی جو 23ر ستمبر سے لے کر 23ر اکتوبر تک کے دورانیے میں پورا ایک مہینے تک کھیل تماشے وغیرہ کی صورت میں منائی جاتی تھی۔

نبی اکرمؐ نے مدینہ والوں سے پوچھا کہ یہ دونوں دن کیا ہیں؟ کس وجہ سے تم مناتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم سارا سال تھکے ہوئے ہوتے ہیں، تو ہم ہر چھ مہینے کے بعد کسی ایک دن میں کوئی خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ تو نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دو دِنوں کی بجائے عید کے یہ دو بامقصد دن تمھارے لیے مقرر کر دیے ہیں: (1) ایک عید الفطر: رمضان المبارک کے روزے مکمل ہونے پر۔ اور (2) دوسرا عید الاضحیٰ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انسانیت کے لیے دی گئی قربانی کی یاد میں''۔

عید کے دن خوشی و انبساط کی کیفیات اور اُن کا اظہار

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ عید کی حقیقت: خوشی، سرور اور لذتوں کا حاصل کرنا ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں یہ خوشی اور لذت صرف طبعی ہوتی تھی کہ محض ہلّا گُلّا، غل غپاڑا کرلیا، اچھے کھانے کھا لیے، کوئی جسمانی لذتیں حاصل کرلیں اور بس۔ نبی اکرم ﷺ نے ان دونوں عیدوں میں انسانی شرف کے مطابق اس خوشی اور سرور کے منانے کا اصل عمل مقرر کر دیا، جو فرح طبعی (جسمانی اور طبعی خوشی) بھی ہے اور فرح عقلی (عقلی اور شعوری خوشی) بھی ہے۔ انسان عقل رکھتا ہے، اس لیے اُسے عقلی خوشی بھی حاصل ہونی چاہیے۔ جسمانی خوشی کے ساتھ انسان کے اندر فرح عقلی بھی ہونی چاہیے کہ عقل بھی جھومے، اسے بھی سرور حاصل ہو اور اپنی پوری لذتیں حاصل کرے۔

جسمانی خوشی یہ ہے کہ مثلاً جو مشقت ہم نے رمضان کے دِنوں میں بھوک پیاس برداشت کر کے تیس روزے مکمل کیے، اور راتوں کو تراویح پڑھی، عبادات کیں، اس کے نتیجے میں عید کے دن طبیعت خوش ہوتی ہے کہ جب انسان آزادانہ کھائے پیئے اور مسرت حاصل کرے۔ اسی طرح وہ یتیم، فقیر، مسکین جس کو آپ نے صدقہ فطر ادا کیا کہ جسے پورا مہینہ کھانے کو شاید کچھ ملا ہو، وہ کسی تکلیف کی حالت میں رہا تو اب اسے اگر کچھ پیسے مل گئے اور کھانے پینے کا اچھا وافر نظام بن گیا تو اسے بھی خوشی حاصل ہوئی۔ طبعی طور پر اس کے اندر بھی ایک سکون اور اطمینان کی کیفیت پیدا ہوئی۔

دوسرا عید کے موقع پر ایک عقلی خوشی بھی ہے عقل کے اعتبار سے اس کے اندر ایسی فرحت اور خوشی پیدا ہو کہ اس کی لذت اور اس کا ابتہاج (لطف اندوزی) عروج پر پہنچ جائے۔ مثلاً نبی اکرم ﷺ اور جماعتِ صحابہؓ نے رمضان المبارک کے مہینے میں اپنی سیاسی طاقت اور قوت منوائی، ریاست کی تشکیل ہوئی، اور کسی قوم کی اپنی خودمختار ریاست، آزادی اور حریت کے ساتھ قائم ہو جائے تو اس سے بڑی عقلی خوشی اَور کیا ہوگی۔ گویا رمضان المبارک کے مکمل ہونے پر جو عید الفطر منائی جاتی ہے، اس پر عقلی خوشی منانے سے انسان کی آزادی اور حریت کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس عقلی خوشی اور ذہنی انبساط کا ایک بہت بڑا تعلق اس سے بھی ہے کہ جب اللہ کی بادشاہت اور اللہ کے مقرر کردہ نمائندے رسول اللہؐ کی اتھارٹی مان لی گئی، ایک آزاد خودمختار ریاست بن گئی اور اللہ کی بڑائی ثابت ہوگئی تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ جس نظریے کے ساتھ ہم نے تیرہ چودہ سال مکہ مکرمہ میں جدوجہد اور کوشش کی اور ہمارا وہ نظریہ جو ہماری عقل سے اور قلب سے پھوٹا تھا اس نظریے کو ہم نے اپنے سامنے ریاست کی صورت میں دیکھ لیا تو یہی تو ذہنی اور عقلی خوشی ہے۔

اس قوم کی عقل پر ماتم ہے کہ جو غلامی میں خوشی منائے۔ خوشی آزاد آدمی کی ہوتی ہے، آزاد قوم کی ہوتی ہے۔ اگر ہو غلام اور جسمانی طور پر کھا پی کر عیاشیاں کر کے کہے کہ مجھے تو خوشی حاصل ہوگئی تو زیادہ سے زیادہ طبعی خوشی حاصل ہوئی، عقلی خوشی تو نہیں ہے''۔

www.rahimia.org

عید کے دن خوشی کے جذبات کا اظہار کیوں ضروری ہے؟

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

"عید الفطر کا اجتماع پورے شہر، پوری ریاست اور پوری مملکت کا اجتماع ہے۔ اس موقع پر ضروری قرار دیا گیا کہ سب لوگ اپنے پاس دستیاب سب سے عمدہ اور بہترین لباس زیبِ تن کر کے آئیں، خوشبو لگائیں اور اللہ کے دین کے غلبے کی مسرت کا ویسے اظہار کریں جیسے حکمرانوں اور اپنے سربرآوردہ لوگوں کا استقبال کرتے ہوئے لوگ صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اپنی ریاست کی آزادی کی خوشی مناتے ہوئے کھیلتے کودتے ہیں، تا کہ خوشی اور فرحت کا اظہار ہو۔ اسی لیے ۲ ہجری سے پہلے عید الفطر نہیں منائی گئی۔ کیوں کہ اس وقت تک ریاست ابھی وجود میں نہیں آئی تھی اور اُس نے اپنی حیثیت نہیں منوائی تھی۔ جب ریاست کی ریاستی شناخت قائم ہوئی تو پھر یہ عید الفطر منائی گئی۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کا اجتماع اس لیے ضروری ہے کہ تا کہ اپنے یومِ آزادی پر اپنے پروگرام کے نظریے کا اجتماعی اعلان اور اظہار ہو اور پتا چلے کون ریاست سے وفادار ہے اور کون ریاست کا غدار ہے؟ کون منافق ہے اور کون ریاست کا سچا مخلص فرد ہے؟ دنیا میں اجتماعات کا مقصد ایسے لوگوں میں فرق کرنا ہوتا ہے کہ جب یوم آزادی منایا جاتا ہے تو کون خوشی کا اظہار کر رہا ہے اور کس کا منہ خراب ہوتا ہے؟

عید الفطر یوم آزادی ہے۔ اس لیے اس میں تمام مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے لیے اجتماع ضروری ہے، تا کہ اپنی اجتماعی طاقت سے دشمن قوتوں پر رعب پیدا کیا جائے۔ کیوں کہ جتنی کثرت سے افراد کسی بھی اجتماع میں جمع ہوتے ہیں تو اُس سے افرادی قوت کا پاور شو ہوتا ہے، طاقت کا اظہار ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ اتنی عوام ہے، پورا ملک ہے، پوری ریاست ہے، شعائرِ دین کا غلبہ ہے۔ یہاں اس عید کے موقع پر کسی شخصیت کے نعرے نہیں ہوتے، صرف اس اللہ وحدہٗ لاشریک کی بڑائی کا اعلان ہوتا ہے کہ تکبیرِ تشریق: "اَللّٰہُ أَکْبَر، اَللّٰہُ أَکْبَر، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَ اللّٰہُ أَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" ہر سڑک پر آتے جاتے پڑھی جائے۔ نعرہ ہے تو صرف ایک اللہ ہی کا، جس کی حکومت، جس کی ریاست، جس کا سسٹم قائم کرنا مطلوب ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس اجتماع کا مقصد یہ بھی ہے کہ ہر سال جو بچے جوان ہوتے ہیں، انھیں بھی معلوم ہو کہ عید کا دن شعائر اللہ کے غلبے اور اظہار کا دن ہے۔ وہ اس دن کی اس قدر و قیمت کو سمجھیں۔ اپنے غلامی سے نجات اور قومی ترقی کے اس دن کو یاد رکھیں اور اگلی نسلوں تک یہ بات منتقل ہو جائے۔ پھر نمازِ عید سے فارغ ہونے کے بعد پُرمسرت طریقے سے دلی خوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملیں، رشتے داروں سے ملاقات کریں۔ عید کا دن سماجی تعلقات بنانے، رشتوں ناتوں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے، ایک دوسروں کے ساتھ پیار اور محبت بانٹنے اور انسانیت کے اظہار کا دن ہے۔ خوشی کے موقع کو خوشی کے طور پر منانا چاہیے۔ منہ بنا کر گھر میں بیٹھے رہنے اور موبائل کے ساتھ کھیلتے رہنے سے یہ دن نہیں گزارنا چاہیے"۔

عید الفطر آزادی وحریت کے احساس کو بیدار کرتے ہوئے منائی جائے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

"دین اسلام خوش خبری سنانے کے لیے آیا ہے۔ آزادی اور حریت کی حفاظت کے لیے آیا ہے۔ قومی خود مختاری کے لیے کردار ادا کرنے کے لیے آیا ہے۔ عید الفطر مسلمانوں نے اپنے غلبے کے گیارہ بارہ سو سالہ دور میں اسی طرح منائی ہے، لیکن بدقسمتی پچھلے تین سو سال سے ہم یورپین طاقتوں کے غلام ہیں، دوسروں کے محتاج اور اُن کے یرغمال ہیں۔ آج یہ عیدیں آزادی اور حریت کے نظریے کے ساتھ نہیں منائی جاتیں۔ حال آں کہ اس دن کو آزادی حاصل کرنے کے نظریے سے منانا ضروری ہے کہ اس دن کو ہمیں وہ مسرت اور آزادی تو حاصل نہیں کہ ہم امن وامان کی زندگی بسر کر رہے ہوں، ہم معاشی خوش حالی اور قومی خود مختاری کے ساتھ کردار ادا کر رہے ہوں، لیکن اپنی عقل کو بلند کر کے، اپنے نظریے کو بلند کر کے، قومی سوچ پیدا کر کے قومی خود مختاری کے جذبے کے ساتھ ہم عید الفطر منائیں تو پھر تو اس دن کا وصول کرنا ہے۔ اور اگر وہ بھی نہیں تو محض غلام کی عید سوائے ملے گلے اور سویاں اور کھیر وغیرہ کھانے کے اَور کیا ہوگی۔

عید کا دن نظریہ پختہ کرنے کا دن ہے۔ آج سے ٹھیک پچھتر سال پہلے انیس سو سنتالیس میں آپ برطانیہ کی غلامی سے نکل کر امریکا کی غلامی میں داخل ہوئے تھے، اس کے آج پچھتر سال ہو رہے ہیں۔ اس لیے آج اتنے سال بعد تو کم از کم غیرت جاگنی چاہیے۔ پچھتر سال بعد ہی سہی، ہم اعلان کریں کہ ہم امریکہ کی غلامی کو قبول کرنے کو تیار نہیں۔ ہمارے فیصلے خود ہمیں بائیس کروڑ لوگوں کو کرنے ہیں، نہ کہ ہمارے فیصلے باہر واشنگٹن اور لندن یا کہیں اَور بیٹھ کر ہوتے ہوں۔ اس طرح آزادی حاصل کرنے کا عزم رکھنا، نظریہ پیدا کرنا، سوچ پیدا کرنا، یہ عید کی عقلی خوشی ہے۔ اگر عقلی خوشی، طبعی خوشی کے ساتھ نہ ملے تو حقیقی طور پر عید الفطر نہیں ہے۔ عید الفطر کے لیے ان دونوں کا ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ یہ تبھی ہوگی کہ جب ہماری سوچ بلند ہو، ہماری عقل بلند ہو، ہمارا سیاسی شعور بلند ہو، ہمیں اپنی قومی عزت اور ملکی غیرت کی پاسداری ہو۔

یہ تو غلام اور بے حس قوموں کا کام ہے کہ دوسروں کی ڈکٹیشن پر اپنا ملک چلائیں اپنی حکومتیں بنائیں اور تڑوائیں، اپنا سیاسی اور معاشی نظام بنائیں اور چلائیں، ایسی قوموں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ عید الفطر منائیں۔ عید الفطر تو آزادی اور حریت کے ساتھ ہوتی ہے۔ عملاً ہو، یا کم از کم عقلاً تو ہو، نظریتاً تو ہو، آزادی کی سوچ اور شعور تو ہو اور اس کے لیے عملی جد و جہد اور کوشش تو ہو، تنظیمی طاقت بھی پیدا کرنے کا عزم اور ارادہ تو ہو، پھر فرحتِ عقلی حاصل ہو سکتی ہے۔ آج ہمیں اس دن میں یہ عزم اور ارادہ کرنا ہے کہ "لا الٰہ الا اللہ" کا صحیح مطلب ہمیں سمجھ میں آجائے اور اس کے نتیجے میں غیروں کی غلامی، ان کی حکومتوں، ان کے مقرر کردہ نمائندوں اور ان کے دجل وفریب کے نظام سے برأت کا اعلان کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عید الفطر کی طبعی اور عقلی دونوں خوشیاں عطا فرمائے۔ آمین"

www.rahimia.org

حضرت مولانا محمد عمر بندرانی دین پوریؒ

ولی اللّٰہی تحریک نے حریت وآزادی کی جو شمع جلائی، اس کی روشنی پورے ہندوستان پر محیط تھی۔ کوئی خطہ ایسا نہ تھا جہاں بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کا اثر محسوس نہ کیا گیا ہو۔ بلوچستان کا مرکز سے دور اُفتادہ علاقہ بھی انھی میں سے ایک تھا۔ مولانا محمد عمر دین پوریؒ نے یہاں قائدانہ کردار ادا کیا۔ شکار پور کے قریب ایک قصبہ ''ہمایوں'' کے نزدیک ''دین پور'' نام کی ایک بستی ہے، جو شکار پور سے 37 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اس بستی میں مولانا محمد عمرؒ 1882ء میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والدِ گرامی کا نام عطا محمد عطائی تھا۔ آپؒ کے آباؤ اجداد کا تعلق ریاست قلات سے تھا، جو بعد میں ہجرت کر کے جیکب آباد اور شکار پور میں آکر آباد ہوئے۔ سردیوں میں دین پور اور گرمیوں میں مستونگ (قلات) میں رہائش اختیار کی جاتی تھی۔ آپؒ کے والد بھیڑ بکریاں چرا کر گزر بسر کرتے تھے۔ گھر کے معاشی حالات بہتر نہ ہونے کی وجہ سے مولانا موصوفؒ نے کام کاج کے ساتھ ساتھ مقامی مدرسے میں بھی تعلیم حاصل کی۔ 15 سال کی عمر میں مولانا محمد ڈاہی کی شاگردی میں رہ کر قرآن حکیم پڑھا۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا، اس لیے مولانا عبدالغفور ہمایونیؒ کی خدمت میں قصبہ ''ہمایوں'' (شکار پور) حاضر ہوئے اور 3 سال تک ان کی زیرِ نگرانی فارسی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں ڈھاڈر (سبی) میں مولانا عبدالحئی دُرخانیؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور دو سال تک (1899-1900ء) مزید تعلیم حاصل کی۔

یہ وہ دور تھا، جب انگریز سامراج نے ہندوستان کی دیگر ریاستوں کے ساتھ ساتھ بلوچستان کے بھی اکثریتی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ نہ صرف سیاسی اور معاشی ظلم وناانصافی کا بازار گرم ہوا، بلکہ دینِ اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات میں ذہنی انتشار پیدا کرنے کے لیے انگریز سامراج نے درس وتدریس کے نام پر عیسائیت کو فروغ دیا۔ اس مقصد کے لیے انجیل کا 'براہوی' زبان میں ترجمہ کروایا گیا اور 1907ء میں اسے چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ بلوچستان اور خاص طور پر 'براہوی' جاننے والوں کے لیے ضروری تھا کہ قرآنِ حکیم کا 'براہوی' زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ مولانا عبدالحئی دُرخانیؒ کی نگرانی و رہنمائی میں مولانا محمد عمر دین پوریؒ نے قرآن حکیم کا 'براہوی' زبان میں سب سے پہلا ترجمہ کیا۔ ترجمہ مکمل ہو گیا تو تفسیر تحریر کرنے میں مصروف ہو گئے، تاکہ موجودہ حالات اور اس کے تقاضوں کے تحت قرآنی علوم کو مقامی زبان میں اُجاگر کیا جائے، لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور تفسیر کا کام مکمل نہ ہو سکا۔ یہ تفسیری مجموعہ ''مفتاح القرآن فی براہوئی اللسان'' کے نام سے ہے۔ اس کے علاوہ 'براہوی' زبان میں ایک منظوم تفسیر ''مفتاح المثنوی'' بھی آپؒ کی تصنیف ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے اُردو اور مولانا تاج محمود امروٹیؒ کے سندھی زبانوں میں قرآنِ حکیم کے تراجم کے بعد یہ تیسرا اہم ترین ترجمہ تھا، جس نے قرآن فہمی میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ 1915ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا اور اسے نور محمد خان بنگلزئی کی مالی معاونت سے چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ مولانا عبدالحئی درخانیؒ اُس وقت انگریزوں کے مشنری پروگرام کے خلاف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سرگرمِ عمل تھے۔ یہ جدوجہد باقاعدہ ایک تحریک کی شکل میں تھی۔ جس میں مولانا محمد فاضل درخانیؒ، مولانا عبدالحئی درخانیؒ اور حاجی نوخانؒ کے ساتھ ساتھ اب مولانا محمد عمر دین پوریؒ بھی اس کا حصہ بن چکے تھے۔ اس پاداش میں مختلف مواقع پر پریشانیوں اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا، لیکن آپؒ کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئی۔

مولانا محمد عمر دین پوریؒ نے مولانا تاج محمود امروٹیؒ کی صحبت اختیار کی اور ان کی سربراہی میں 1920ء میں تحریکِ خلافت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس سلسلے میں عام وخاص میں شعوری بیداری کے لیے اسفار بھی کیے۔ جان محمد جونیجو کی قیادت میں 9/ جولائی 1920ء کو تحریکِ ہجرت کے سلسلے میں بمع اہل وعیال اور قریبی دوستوں کے افغانستان تشریف لے گئے۔ وہاں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ساتھ ہونے والی ایک تفصیلی ملاقات کا احوال عبدالباری لہڑی نے اس طرح بیان کیا ہے:

''جب مولانا محمد عمر دین پوریؒ ہجرتِ افغانستان کے لیے روانہ ہوئے تو ان کو بتایا گیا کہ آپ کو کابل افغانستان میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے مل کر باقی تفصیلات طے کرنی ہیں، تاکہ ہجرت کے دوسرے مرحلے (اور کامل آزادی کی تحریک) کو بلوچستان میں بلوچوں اور براہویوں کی مزید معاونت حاصل ہو''۔

1921ء میں مولانا محمد عمرؒ افغانستان سے واپس آکر ہندوستان میں جاری الحاد و ارتداد کی تحریک کے خلاف سینہ سپر ہوئے اور اپنی تحریر اور تقاریر کے ذریعے جدوجہد کرتے رہے۔ دین پور میں ایک دینی تربیتی مرکز بھی قائم کیا اور براہوی زبان میں مختلف کتابوں کے تراجم اور تصانیف کا آغاز فرمایا۔ 40 سے زائد تصانیف آپؒ کے علمی تبحر کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مولانا دین پوریؒ نے دین پور میں ''مکتبہ براہو یہ دین پور'' قائم فرمایا اور 1923ء میں ماہنامہ ''الحق'' کا اجرا کر کے براہوی زبان میں صحافت کی بنیاد ڈالی۔ 1935ء میں جب ریاست قلات کے قاضی کے طور پر تقرر کی پیش کش ہوئی تو آپؒ نے یہ کہہ کر رد کر دی کہ میرا کام خالص للّٰہیت کی بنیاد پر تعلیم وتربیت ہے۔ 1938ء میں براہوی زبان کی ترقی کے لیے آپؒ نے ایک تنظیم بھی قائم کی۔

دین پور میں جب حالات سازگار نہ رہے تو مولانا موصوفؒ نے دین پور کو چھوڑ کر پہلے ضلع کچھی کا رُخ کیا اور بعد ازاں 1945ء میں جھالاوان (ضلع خضدار) میں قیام پذیر ہوئے اور آخر عمر تک یہیں رہے۔ یہاں بھی آپؒ نے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور تعلیم وتربیت میں مصروف ہو گئے۔ مولانا محمد عمر دین پوریؒ نے ۱۸/ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ / 16/ اپریل 1949ء میں 113 سال کی عمر میں وفات پائی۔ نمازِ عشا کی امامت کے دوران حالتِ سجدہ میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپؒ کی آخری آرام گاہ مولہ ضلع خضدار بلوچستان میں ہے۔ خضدار میں ایک لائبریری بھی مولانا موصوفؒ کے نام سے منسوب ہے۔

www.rahimia.org

مہمان کالم | آصف محمود | ترکش | روزنامہ 92 نیوز

جنٹل مین بن کے دکھاؤ

پانچویں کے بعد ہائی سکول میں داخلہ لیا تو انگریزی پڑھنی شروع کی۔ ایک دن چھٹی کی درخواست لکھواتے ہوئے استادِ محترم نے I beg to say لکھوایا تو ہاتھ پتھر کے ہوگئے۔ دل نے آواز دی کہ چھٹی کوئی دے یا نہ دے، لیکن یہ بھیک نہیں مانگی جاسکتی کہ I beg to say ۔ ابھی دماغ میں Beg کی ذلت کا احساس ختم نہیں ہوا تھا کہ درخواست ختم بھی ہوگئی۔ اب کی بار درخواست کے اختتام پر استاد جی نے لکھوایا: "Your obedient servant"۔ اب تو کنپٹیاں ہی سلگ اُٹھیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں خود کو کسی کا تابع فرمان قسم کا نوکر قرار دے دوں؟ وکالت کے شعبے میں آیا تو یہاں بھی وہی تذلیل دیکھی۔ جو انصاف مانگنے آتا تھا، اسے سائل کہا جاتا تھا۔ سائل ہماری عدالتوں اور کچہری میں ہمیشہ عرض گزار ہی پایا گیا۔ انصاف مانگا نہیں جاسکتا تھا۔ سائل یہ مطالبہ نہیں کرسکتا تھا کہ انصاف دیا جائے۔ ہاں وہ Prayer یعنی التجا اور درخواست پیش کرسکتا تھا۔ میں بیٹھ کر سوچتا کہ اگر عدالت بنی ہی انصاف دینے کے لیے ہے اور اگر اللہ کا حکم ہے کہ: ''انصاف کرو، یہ تقویٰ کے قریب تر ہے''، تو پھر اس بنیادی انسانی حق کے حصول کا مطالبہ کیوں نہیں کیا جاتا؟ گڑگڑاتے لہجوں میں مسکینی طاری کر کے Prayer کیوں کی جاتی ہے؟ باوقار طریقے سے ڈیمانڈ کیوں نہیں کی جاتی؟

بہت بعد میں پتا چلا کہ یہ سب اتفاق نہیں ہے۔ یہ برطانوی دورِ غلامی میں سکھائے گئے غلامی کے وہ آداب ہیں، جو ہمارے لہو میں دوڑ رہے ہیں۔ انگریز لکھاریوں نے ہمیں آدابِ غلامی سکھانے کے لیے باقاعدہ کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک کتاب ڈبلیو ٹی ویب نے لکھی جس کا عنوان ہے: "English etiquette for Indian gentlemen"۔ یہ کتاب کم اور غلامی کی دستاویز زیادہ ہے۔ اس میں ایک ایک کر کے مقامی لوگوں کو بتایا گیا کہ اب ان کا دور نہیں رہا۔ ان کی تہذیب بھی پرانی ہوچکی۔ نئے آقا اب جو چاہتے ہیں، انھیں اسی تہذیب کو اپنانا ہوگا۔ ڈبلیو۔ ٹی۔ ویب کی اس کتاب میں بعض مقامات پر واضح طور پر آدابِ غلامی سکھائے گئے ہیں۔ تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ انگریز کے حضور حاضر ہونے کے آداب کیا ہیں؟ اس سے ملنے کے آداب کیا ہیں؟ اس سے مخاطب کیسے ہونا ہے؟ مقامی یعنی ہندوستانی ڈیزائن کے جوتے پہن کر جانا ہے تو جوتے باہر برآمدے میں اُتار کر اندر حاضر ہونا ہے۔ ایسے جوتے پہن کر انگریز کے حضور حاضر ہونا' اس کی توہین ہے۔ خبردار! سلام کے لیے اس وقت تک ہاتھ نہ بڑھایا جائے جب تک صاحب یا میم خود تمھیں اس قابل نہ سمجھیں۔ انگریزوں کو پیٹ درد جیسے الفاظ سننا پسند نہیں۔ خبردار! جو کسی انڈین جنٹل مین نے ان کے سامنے پیٹ درد جیسے الفاظ استعمال کیے۔ کسی انگریز کو صرف اس کے نام سے نہیں پکارنا۔ القابات لگانا ضروری ہے۔ کسی یورپی سے سرِراہ ملاقات ہوجائے تو ادب کے تقاضے کیسے پورے کرنے ہیں؟ اوران میں سے کسی کو مدعو کرنا ہے تو میزبانی کے آداب کیا ہوں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔

مقامی تہذیب کو مکمل طور پر قصۂ پارینہ قرار دیتے ہوئے سونے سے جاگنے تک اور جاگنے سے سونے تک' ہر معاملے اور ہر لمحے میں انگریزی طور طریقے سکھائے گئے ہیں۔ کھانا کیسے کھانا ہے؟ چھری کانٹا کیسے استعمال کرنا ہے؟ ہاتھ سے کھانا ایک برائی ہے۔ خبردار! جو کسی جنٹل مین نے گوشت ہاتھ سے کھایا۔

اہتمام سے بتایا گیا کہ کسی میم صاحب کے کھانے کی تعریف مت کرنا، کیوں کہ اس سے میم صاحب کی توہین ہوسکتی ہے۔ کیوں کہ میم صاحب کھانا نہیں بناتیں، نوکر بناتے ہیں۔ تمیز سکھائی گئی ہے کہ کسی پارٹی میں جائیں تو وہاں نوکروں کا شکریہ ادا کرنے سے باز رہنا ہے۔ خبردار! کوئی نوکروں کا شکریہ ادا نہ کرے۔ انگریزوں کی حساسیت کا خیال رکھنے کا بار بار 'حکم' دیا گیا ہے، لیکن مقامی لوگوں سے کہا گیا ہے کہ تمھاری بے عزتی ہوجائے تو بُرا نہ مانا کرو۔ اور ہاں اگر تم معزز بننا چاہتے ہوں تو شادی کے دعوت ناموں میں 'چشم براہ' جیسی فضولیات کی جگہ 'RSVP' لکھا کرو۔ انگریز کو یہاں سے گئے آج پون صدی ہوگئی ہے، لیکن ہمارے شادی کے دعوت ناموں سے 'RSVP' ختم نہیں ہوسکا۔ ہم آج بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے معززین بننے کے چکروں میں ہیں۔ مقامی تہذیب واَقدار کی تذلیل پر مشتمل عمومی 'ادب وآداب' کے بیان میں اگر کوئی کسر رہ گئی تھی کتاب کے آخر میں 'درخواست لکھنے کے آداب' لکھ کر کے پوری کر دی گئی۔ باب نمبر گیارہ میں بتایا گیا ہے کہ درخواست، پیـــٹیشـــن وغیرہ کیسے لکھی جائیں؟ اور ساتھ ہی نمونے کے طور پر کچھ درخواستوں اور پیٹیشنز لکھی گئی ہیں کہ ان کو دیکھ کر 'مقامی جنٹل مین' رہنمائی حاصل کریں۔ ان تمام درخواستوں میں چند چیزیں اہتمام سے بتائی گئی ہیں:

اوّل: درخواست کی شروعات، جو انتہائی غلامانہ، فدویانہ اور ذلت آمیز انداز سے کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر I beg to say کا انداز سکول کے بچوں کی درخواست سے لے کر سرکاری عرضیوں تک ہر جگہ استعمال کیا گیا ہے، تاکہ سکولوں سے ہی بچے یہ سیکھ لیں کہ آدابِ غلامی کیا ہوتے ہیں؟ اور کیسے ایک دن کی چھٹی کی درخواست کا آغاز بھی Beg سے ہوتا ہے۔ دوم: ہر درخواست کے آخر پر: "Your servant"، "Your obedient servant" جیسے الفاظ لکھے گئے تھے، تاکہ مقامی لوگوں کو یہ معلوم ہو رہے کہ ان کی اوقات نوکر اور رَعیت سے زیادہ نہیں۔ یہ ایک پوری تہذیبی واردات تھی، جو اس سماج پر مسلط کی گئی۔ چوں کہ اہم مناصب پر پھر یہی 'مقامی جنٹل مین' فائز ہوئے اور نوآبادیاتی دور کے خاتمے کے بعد یہی افسر شاہی ہمیں وِرثے میں ملی اور کسی نے اس سماجی واردات پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس نہیں کی، اس لیے یہ 'مقامی جنٹل مین' آج بھی 'انگریزی آداب' سے سماج کی پُشت لال اور ہری کیے ہوئے ہیں۔ اس جنٹل مینی کے خلاف پہلی آواز دِلّی سے اُٹھی۔ لعل گوردیج نامی ایک مداری دِلّی کے چوراہے میں بندر لے کر آتا اور ڈُگڈگی بجا کر اسے کہتا: ''جنٹل مین بن کے دکھا''۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

اعتکاف کے مسائل

☆ رمضان کے آخری دس دنوں میں ایسی مسجد میں جہاں پانچ وقت کی نماز باجماعت ہوتی ہو، اعتکاف بیٹھنا سنت ہے۔

☆ رمضان کی بیسویں تاریخ کے شام سورج غروب ہونے سے پہلے اعتکاف شروع ہوتا ہے۔اور عید الفطر کا چاند نظر آنے تک اعتکاف کی حالت میں رہنا ضروری ہے۔

☆ پیشاب، پاخانہ اور فرض غسل کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے۔

☆ اگر ایسی مسجد میں اعتکاف کیا ہے جہاں نمازِ جمعۃ المبارک نہیں ہوتی، تو جمعۃ المبارک کی نماز کے لیے جامع مسجد میں جانا جائز ہے، اور اندازاً اتنی دیر پہلے مسجد سے نکلے کہ جامع مسجد پہنچ کر خطبہ سے پہلے تحیۃ المسجد اور چار سنتیں پڑھ سکے۔ اور نماز کے بعد سنت پڑھنے کے لیے ٹھہرنا بھی جائز ہے۔

☆ اذان کہنے کے لیے مسجد سے باہر اذان کی جگہ پر جانا جائز ہے۔

☆ نمازِ جنازہ کے لیے جانا بشرطیکہ اعتکاف کی نیت کرتے وقت یہ نیت کر لی تھی کہ ''جنازہ کے لیے جاؤں گا'' تو جائز ہے، اور اگر نیت نہیں کی تو جائز نہیں۔

☆ بغیر کسی عذر کے جان بوجھ کر یا بھول کر مسجد سے باہر چلے جانے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ اسی طرح کسی عذر اور ضرورت کے سبب مسجد سے باہر نکل کر ضرورت سے زیادہ ٹھہرنے اور بیماری یا خوف کی وجہ سے مسجد سے باہر جانے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

صدقۂ فطر کے مسائل

1۔ صدقہ فطر ہر عاقل، بالغ، آزاد مالکِ نصاب شخص اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرے، بشرطیکہ اس کی نابالغ اولاد کی ملکیت میں ان کے نام الگ سے مال نہ ہو۔ اگر ان کی ملکیت میں الگ مال بقدرِ نصاب ہے تو ان کے مال میں سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا۔

2۔ صدقہ فطر کے نصاب کا مالک وہ شخص ہوگا، جس کے پاس ضرورت سے زائد تمام املاک و اشیا اس مقدار میں ہوں کہ ان کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونا کے مساوی ہو۔

3۔ احادیث میں درج ذیل اشیا میں سے کوئی ایک درج ذیل مقدار کے مطابق بطورِ صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

(الف) صاعاً من شعیرٍ: یعنی جو (تقریباً 3500 گرام)
(ب) صاعاً من تمرٍ: یعنی کھجور (تقریباً 3500 گرام)
(ج) صاعاً من اقطٍ: یعنی پَنیر (تقریباً 3500 گرام)
(د) صاعاً من زبیبٍ: یعنی کشمش (تقریباً 3500 گرام)
(ہ) نصف صاعٍ من بُرّ: یعنی گندم (تقریباً 1700 گرام)

موجودہ اوزان (ناپ تول) کے مطابق علمائے کرام نے نصف صاع کو تقریباً 1700 گرام کے برابر قرار دیا ہے اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین کلو گرام کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص جَوْ یا گندم وغیرہ، غلے کی شکل میں نہ دے سکے تو اپنے علاقے کے نرخ کے مطابق اسی قدر درج بالا اشیا کی قیمت ادا کر دے۔

4۔ جو شخص نصاب کا مالک ہے، اس پر صدقہ فطر واجب ہے، خواہ اس نے روزے رکھے ہوں یا نہ رکھے ہوں۔

5۔ مستحب یہ ہے کہ صدقہ فطر، عید الفطر کے دن نمازِ عید سے پہلے ادا کیا جائے۔ اور رمضان المبارک میں بھی ادا کرنا درست ہے۔

6۔ زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مال سال بھر تک اس کے پاس جمع رہے، بلکہ سال سے کم عرصہ میں بھی بقدرِ نصاب مال کا مالک بن جائے اور عید الفطر کے دن بھی اس کا مالک ہو تو صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہوگا۔

7۔ عورت پر صرف اپنی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ نابالغ بچوں کی طرف سے ان کی والدہ پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ یہ ذمہ داری باپ کی ہے۔

8۔ صدقہ فطر، عید کے دن صبح صادق کے وقت سے واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص صبح صادق سے پہلے فوت ہو جائے، اس کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔ اور جو بچہ صبح صادق کے بعد پیدا ہوا، اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب نہیں۔

9۔ اگر عید الفطر کے دن صدقہ فطر ادا نہیں کر سکا تو بعد میں ادائیگی اس کے ذمہ برقرار رہے گی، جب تک کہ وہ اُسے ادا نہ کرے۔

عید الفطر کے مسائل

رمضان المبارک کے بعد یکم رشوال کو شکرانے کے طور پر دو رکعت نمازِ عید الفطر ادا کرنا واجب ہے، عید الفطر کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ عید الفطر کے دن درج ذیل کام مسنون ہیں:

(الف) غسل کرنا۔ (ب) مسواک کرنا۔
(ج) عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہننا۔ (د) خوشبو لگانا۔
(ہ) بالوں میں کنگھا وغیرہ کرنا۔

2۔ صبح سویرے اُٹھ کر عید گاہ جلد پہنچنے کی کوشش کی جائے۔
نمازِ عید کے لیے جانے سے پیش تر کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے۔

3۔ عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا چاہیے۔

4۔ عید کی نماز پڑھنے کے لیے ایک راستے سے جائے اور نماز کے بعد دوسرے راستے سے واپس آئے۔ عید گاہ میں اگر ممکن ہو تو پیدل چل کر جائے۔

5۔ راستے میں یہ تکبیریں آہستہ آہستہ پڑھے:

اَللّٰہُ أکْبَر، اَللّٰہُ أکْبَر، لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ، وَ اللّٰہُ أکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ.

6۔ نمازِ عید کے لیے جماعت شرط ہے۔ لہٰذا اگر کسی وجہ سے کوئی نمازِ عید کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا تو وہ تنہا نمازِ عید نہیں پڑھ سکتا۔

7۔ عید کے دن نمازِ عید سے پہلے نمازِ اشراق یا دیگر نوافل پڑھنا مکروہ ہیں۔ عورتوں، مریضوں اور مسافروں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

بقیہ جنٹل مین بن کے دکھاؤ

لعل گور دیج کا بندر ہیٹ لگاتا، چشمہ پہنتا اور پورا 'جنٹل مین' بن جاتا۔ بندر اور مداری دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مقامی جنٹل مین ناراض ہو گئے۔ (دل چسپ بات یہ ہے کہ بندر نچانے والے آج بھی بندر نچاتے وقت یہ مطالبہ ضرور کرتے ہیں کہ جنٹل مین بن کے دکھا۔ شاید اسی لیے انگریز نے ان کا شمار 'مجرم قبیلوں' میں کیا ہوا تھا)۔ کبھی کبھی جب دن ڈھل رہا ہوتا ہے، مارگلہ سے اُترتا ہوں تو یوں لگتا ہے جنگل سے بندر شور مچا مچا کر کہہ رہے ہوں: ''جنٹل مین بن کر تو دکھاؤ''۔ پہاڑ سے اُترتا ہوں تو دیکھتا ہوں سارا ہی شہر جنٹل مین بنا ہوتا ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبد الخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔